کلامِ غالب اور فلسفہ وحدت الوجود

ڈاکٹر واجد علی، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج مردان
ڈاکٹر عاصمہ لیکچرر، ویمن یونیورسٹی مردان
رویئدہ، پی ایچ۔ڈی سکالر جامعہ صوابی

ABSTRACT:

The word mysticism is used for or self-purification, cognition of God and search for truth. The Sufis have divided the philosophy of Sufism into two types according to their understanding. One is the philosophy of WAHDATUL WAJOOD, everything is He and the second type is WAHDATUSH SHAHOOD everything is his reflection. Various personalities from different work of life and poets linked these philosophies on the basis of spirituality. Most of the poets belong to "DABISTAN-E- DEHLI" belong to WAHDATUL WAJOOD in Sufism.

MIRZA GHALIB, who is a shining and living name of Urdu poetry and doesn't need any introduction, His poetry also contains many types of Sufism and especially of WAHDATUL WAJOOD. The study of the thoughts of GHALIB reveals that he has a keen eye on issues of life and is fully aware of the bitter problems of it. His art is the struggle field for WAHDATUL WAJOOD and Sufism.

The point is that as great he is a poet and artist, he also hold a high position in term of the philosophy of life and philosophy of WAHDATUL WAJOOD. In this research article reflection of philosophy of WAHDATUL WAJOOD will be shown in the thoughts of GHALIB.

Key word: self-purification, cognition, Sufism, reflection, spiritually, keen eye, reveal.

اردو شعر و غزل کے سدا بہار شاعر جو عبقری شخصیت کے مالک ہیں، اسد اللہ خاں غالب کسی تعارف کے محتاج نہیں ۔خیال کی نذاکت، رفعتِ تخیل اور شیرینی و لطافت کے حوالے سے آپ لاثانی ہیں۔اگر بات صرف اُن کی خطوط تک بھی محدود کی جائے تو اردو زبان و ادب کو بہت سی اصناف سے آپ نے متعارف کروایا۔آپ کی فکر و زبان ہی ان کی جنم بومی

ثابت ہوئی۔ آپ کے کلام میں آفاقیت ہے اس لیے اپنے فکر و فن کے ذریعے نہ صرف اپنے دور بلکہ آنے والے کئی ادوار کو اپنی رنگینی تخیل سے متاثر کیا۔

لسانیات کے حوالے سے اگر بات کی جائے، تو غالب کا شمار دنیا کے بڑے ماہرینِ لسانیات میں ہوتا ہے۔ اردو زبان کی یہ خدمت مسلمانوں کی تہذیبی اور ثقافتی اثر و تاثیر میں اہم کردار ادا کر رہی ہے، اس لحاظ سے غالب نے اپنے عظیم کلام کے ذریعے اسلامی تہذیب کے اثرات کو چار دانگ عالم میں پھیلا دیا ہے۔

غالب نہ صرف ایک شاعر بلکہ عظیم فلسفی بھی تھے، انھوں نے چھوٹے مسائل سے لے کر بڑے بڑے مسائل حیات تک کو اپنے بڑے مؤثر اور فلسفیانہ انداز سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ایک تلخ حقیقت یعنی دنیا کی بے ثباتی کے متعلق سخن طراز ہیں:

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے(۱)

تصوف جو اسلامی دنیا میں روحانیات کے حوالے سے ایک اہم اور بنیادی طریقہ و عمل ہے اور اس کے ذریعے سے تعلق باللہ، معرفتِ الٰہی، عشقِ حقیقی اور تزکیہ نفس کے مراحل طے کیے جاتے ہیں۔ دبستانِ دہلی سے تعلق رکھنے والے اکثر شعرا تصوف کے مضامین اپنے کلام میں بیان کرتے ہیں اور بعض کی شاعری تو صرف اور صرف تصوف کے مضامین کو باندھنے میں لگی رہتی ہے۔ چنانچہ عام طور پر انھیں صوفی شعرا کہا جاتا ہے۔ غالب تصوف کے مضامین باندھنے میں دیگر لوگوں سے بڑھ کر ہیں اور اس کا اظہار غالب نے کیا ہے کہ اگر میں بادہ خوار نہ ہوتا تو تصوف کے بارے میں جو میں جانتا ہوں اور جو میرا اندازِ بیان ہے، یقیناً لوگ مجھے ولی اللہ کہتے:

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا(۲)

صوفیا نے تصوف کے فلسفے کو دو شاخوں میں منقسم کر دیا ہے۔ فلسفہ وحدت الوجود اور فلسفہ وحدت الشہود۔ اس سے پہلے کہ کلام غالب میں فلسفہ وحدت الوجود کی عکاسی دیکھیں، سب سے پہلے وحدت الوجود کا ایک مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

"وحدت الوجود صوفیا کا عقیدہ ہے جس کے مطابق کائنات دراصل ایک ہی وجود ہے اور وہی موجود ہے۔ یہ وجود اللہ کی ذات ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ تمام مظاہرِ عالم خدا ہی کی ذات کا مظہر ہیں۔ شیخِ اکبر محی الدین ابن عربی نے اپنی تصنیف 'فصوص الحکم' میں وحدت الوجود پر مفصل بحث کی ہے۔ ان کے مطابق اللہ اور عالم عین یکد گر ہیں۔ عالم صفاتِ خداندی کی محض تجلی ہے۔ اللہ ایک نور ہے جو مختلف مظاہر میں مجسم ہو کر چمکتا ہے۔ وحدت الوجودی عقیدے کے مطابق 'ہمہ اوست' یعنی سب کچھ خدا ہے اور خدا کے علاوہ انفس و آفاق میں کوئی اور وجود کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔"(۳)

اس فلسفے نے عالم اسلام کے ایک سوادِ اعظم کو متاثر کیا، مولانا رومی جیسے جلیل القدر اور بیدار مغز صوفی اس سے متاثر ہوئے، لیکن بعض کم فہم لوگوں نے اس فلسفے میں وہ معنی نکال لیے کہ شرک و بدعات کا ایک در کھل جانے لگا اس لیے حالات کے تناظر میں علامہ شیخ احمد سرہندی عرف مجدد الف ثانی اور ان سے پہلے امام ابن تیمیہؒ، امام ابن قیمؒ نے اس فلسفے کی تردید کی اور مجدد الف ثانی نے اس کے مقابلے میں فلسفہ وحدت الشہود پیش کیا۔ فلسفہء وحدت الوجود کے معانی بیان کرتے ہوئے عبدالسلام رامپوری اپنے مضمون "ابنِ عربی کا نظریۂ وحدت الوجود" میں لکھتے ہیں:

"وحدت الوجود کے معنی یہ ہیں کہ کائنات میں صرف ایک ہستی یعنی واجب الوجود حقیقی معنوں میں موجود ہے اور یہ کائنات اس کی ذات و صفات کا مظہر ہے اور اس کا وجود مستقل بالذات اور حقیقی نہیں بلکہ عطائے خداوندی ہے۔ بالفاظِ دیگر کائنات اپنے وجود اور اپنی بقا کے لیے ہر آن خدا کی محتاج ہے۔"(۴)

وحدت الوجود اگر اس معنی میں لیا جائے کہ اصل وجود تو بس ایک ہی ہے، اصل سامع و سمیع، اصل بصیر تو وہی ہے، اللہ وحدہ لاشریک لہ۔ باقی سب کو وجود اسی نے عطا کیا سب کو اسی نے سماعت و بصارت اسی نے عطا کی ہے۔ تو اس معنی میں وحدت الوجود کے فلسفے پر سبھی متفق ہیں۔ لیکن جہاں کائنات اور موجودات کو اللہ تعالیٰ کے وجود کا حصہ قرار دیا جائے، وہیں یہ اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اسی حوالے سے غالب استفسار کرتے ہیں:

جب کہ تم بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا ! کیا ہے(۵)

وحدت الشہود، وحدت الوجود کے برعکس فلسفہ ہے، ان کے نزدیک کائنات، وجود باری تعالیٰ نہیں ہے، بلکہ یہ حقیقی خالق کی کاریگری اور فن ہے۔ اس کی بڑی تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔ اس حوالے سے شیخ احمد نے توحید وجودی نے وجود و شہود میں فرق کرتے ہوئے لکھا:

"توحید شہودی صرف ایک ذات کے مشاہدے کا نام ہے، یعنی یہ کہ سالک کے مشاہدے میں ایک ذات کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں توحید وجودی اس اعتقاد کا نام ہے کہ خارج میں صرف ایک ہی ذات کا وجود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور شے وجود نہیں رکھتی (۶)"۔

بظاہر ان دونوں فلسفوں میں اختلاف نظر آتا ہے، لیکن یہ ایک تدریج ہے اور یہ اختلاف محض لفظی ہے۔ ڈاکٹر برہان الدین صاحب، شاہ ولی اللہؒ کے حوالے سے اس نزاعِ لفظی و کلامی کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"دونوں کا مذہب وہی ہے اور نزع محض لفظی، وحدت الشہود سے مراد صرف یہ ہے کہ واجب کہ کامل ہونے پر اور ممکن کے ناقص اور ہیچ ہونے پر اصرار کیا جائے۔"(۷)

کلامِ غالب سے پتہ چلتا ہے کہ تصوف میں وحدت الوجودی فلسفے تعلق رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ غالب کا مذہب ہمہ اوست ہے۔ دنیا کی ابتداء کس وجہ سے ہوئی؟ اس پر بہت سے لوگوں نے مغز کھپائی کی ہے۔ غالب نے اس نکتے کے متعلق اپنا خیال یوں پیش کیا ہے کہ حسن کے اظہار کے لیے دنیا کو وجود میں لایا گیا ہے، کیونکہ حسنِ محبوب اپنا اظہار چاہتی ہے۔ اس کے متعلق عبدالرحمٰن بجنوری صاحب لکھتے ہیں:

"غالب کا دل ایک آئینہ ہے جس میں ہر مظہرِ الٰہی اور منظرِ قدرت کا جلوہ موجود ہے۔ اس کی زبان ترجمان حقیقت ہے۔ اس کے پرکارِ تخیل کا دائرہ امکان سے ہمکنار ہے۔ عالمِ کون و فساد میں ایک ذرے کی جنبش بھی اس کے حلقہ غور سے باہر نہیں ہے۔ غالب ایک فلسفی ہے، جو شاعری کا جامہ زیب تن کیے ہوئے ہے۔ غالب وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ وہ خدا کو ماسوا سے

علیحدہ نہیں خیال کرتے، بلکہ ان کا مذہب ہمہ اوست ہے۔ فلسفہ میں کوئی سوال اس سے زیادہ کوئی مشکل نہیں کہ دنیا کی آفرینش کس وجہ سے ہوئی ہے۔ غالب اس کا جواب دیتے ہیں:

دہر جز جلوہ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں

مبداء عالم حسن ہے اور حسن کو تقاضائے اظہار ہے۔ اس لیے دنیا عدم سے وجود میں آئی ہے۔ دنیا ایک آئینہ ہے جس میں حسنِ ازل خود بیں ہے۔ یہ خیال مرزا غالب کا اپنا خیال نہیں ہے، بلکہ اسلامی تصوف کا عقیدہ ہے مگر جس خوبی کے ساتھ مذکورہ بالا شعر میں مرزا غالب نے اس کو ظاہر کیا ہے مولانا عبدالرحمٰن جامی کے علاوہ کسی نے اس خوبی سے اس کو نظم نہیں کیا۔" (۸)

صوفیائے کرام نے معرفتِ حق، معرفتِ الٰہی تک پہنچنے کے لیے جو رستہ تجویز کیا ہے، اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ پہلا مرحلہ عالم ناسوت یعنی اجسامِ مادی کا ہے اور یہیں سے انسان اپنی فہم و عقل کے مطابق اسرارِ ہستی کو جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد دوسرا مرحلہ عالم جبروت کا ہے جسے احدیت کہا گیا ہے اور بعض صوفیا اس عالم کو حقیقتِ محمدی ﷺ سے بھی تعبیر کرتے ہیں، تیسرا مرحلہ عالمِ لاہوت کا ہے، جسے لامکان بھی کہتے ہیں۔ اس لاہوت کے مرحلے تک رسائی نبی مکرم ﷺ کو نصیب ہوئی ہے، یہی وجہ ہے علامہ محمد اقبال نے مسلمان کے لیے نبی کریم ﷺ کی نسبت سے طائرِ لاہوتی کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مرزا غالب عالمِ ناسوت کے بارے میں کہتے ہیں:

صد جلوہ رو برو ہے جو مژگاں اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احساں اٹھائیے (۹)

غالب کہتے ہیں کہ ہر شے کے اندر اللہ تعالیٰ کی ذات کے کرشمے موجود ہیں اور دل کی آنکھیں کھول کر اور پلکیں اٹھا کر دیکھیں تو جلوہ الٰہی سامنے نظر آجائے گا، لیکن چونکہ جلوہ الٰہی کو دیکھنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے اس لیے کیوں اس کے دید کا احسان اٹھائیں، جبکہ دیکھ نہیں سکتے۔ چنانچہ غالب فلسفہ وحدت الوجود کے قائل ہیں، اس لیے اسے ہر شے کے اندر اللہ کی ذات کا ظہور نظر آرہا ہے۔

غالب کہتے ہیں کہ مادہ تو بے جان ہے اب حرکت اسے متحرک کرتا ہے، لیکن اس حرکت میں اس تعین اگر نہ ہوتا تو کوئی بھی شے قاعدے ضابطے کے مطابق متحرک نہ ہوتی، چنانچہ اس حرکت کی پشت پر ایک قوت موجود ہے، جو حرکت اور متحرک

کو متوازن رکھتا ہے۔ اگر پسِ پشت یہ مخصوص حرکت نہ ہوتی تو یہ کون و مکاں اس قدر توازن سے قائم نہ رہ سکتے، چنانچہ علت العلل ذاتِ باری ہی ہے۔ چنانچہ غالب کہتے ہیں:

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے
پرتو سے آفتاب کے ذرے میں جان ہے(۱۰)

اور مزید فرماتے ہیں کہ کائنات اور موجودات تیرے ہی جلوے کا پرتو ہے:

ہے تجلی تری سامانِ وجود
ذرہ بے پرتو خورشید نہیں (۱۱)

عالم جبروت سے عالم لاہوت کا سفر نہایت سخت اور متحیر کن مراحل پر مشتمل ہے۔ جلوہ الٰہی کا مشاہدہ جس قدر تیز اور برہنہ آنکھ سے ہوتی جاتی ہے، حائل پردے درمیان سے نکل جاتے ہیں، حقیقت آشکار ہو جاتی ہے، حیرانگی اور استغراق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، غالب نے اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کر دیا ہے:

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں (۱۲)

پھر اپنے اس تحیر کو مختلف زاویوں سے بیان کرتے ہیں کہ دنیاومافیہا اپنے آپ کو ایک الگ وجود پیش کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن حقیقت تو یہی ہے کہ وجودِ برحق وہی ذاتِ باری ہے، یعنی لاالہ الاالله بمعنی لاموجود الاالله۔ وجود بس ایک ہی ہے، باقی فنا ہے۔ غالب فرماتے ہیں:

ہر چند ہر ایک شے میں تو ہے
پر تجھ سے تو کوئی شے نہیں ہے
ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی
ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے
ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
آخر تو کیا ہے؟ اے نہیں ہے(۱۳)

غالب کے مطابق اللہ رب العالمین کی ذاتِ عالی، جو حسن و جمال کی اعلیٰ ترین بلندی پر فائز ہے اس حسن کی دیدار کی قوت کسی آنکھ میں نہیں، اس لیے رب العالمین نے اپنی ذاتِ عالی کو پسِ پردہ کر لیا ہے، چنانچہ اس محبوب حقیقی نے ہر شے کے اندر حسن کی ایک جھلک ڈال دی ہے تاکہ مخلوقات پہلے ان معمولی تجلیات اور کرشموں سے عادی ہو اور پھر جب یہ سلسلہ تکمیل تک پہنچ جائے تو آخرت میں اپنی دیدار کرائیں گے۔ چنانچہ جزئیاتِ حسن، بالآخر ایک کل کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حسنِ عطائی تو ایک عارضی شے ہے حسن کا اصل مالک تو ایک ہی ہے اور وہ ہے محبوبِ حقیقی، اللہ۔ مرزا غالب حسن کی اس کثرت آرائی کو ایک وحدت میں دیکھتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں:

کثرت آرائی وحدت ہے پرستائی وہم
کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے(۱۴)

غالب عقیدہ توحید کو وحدت الوجود کے رنگ میں رنگتے ہیں۔ وہ توحیدی فکر کو وحدت الوجود سے الگ نہیں سمجھتے، اس عقیدے کی وجہ سے غالب بعض اوقات ان لوگوں کو کافر اور مشرک سمجھتے ہیں جو وحدت الوجودی فلسفے کے قائل نہیں کیونکہ اس میں دوئی کا تصور آ جاتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُون(۱۵)

اگر زمین و آسمان میں اللہ کے سوا دیگر خدا ہوتے تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جاتا، غالب اس مضمون کو یوں بیان کرتے ہیں:

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا(۱۶)

یہی وجہ ہے کہ غالب ان جزئیاتِ حسن کو ایک کل یعنی خدا کی ذات میں جمع کرتے ہیں اور اس تجسس کو ختم کرنے کے لیے استفہام کا اندازِ تکلم اختیار کرتے ہیں:

جب کہ تم بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
یہ پری چہرہ لوگ کیسے ہیں
غمزہ و عشوہ و ادا کیا ہے

شکن زلفِ عنبریں کیوں ہے
نگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں
ابر کیا چیز ہے، ہوا کیا ہے(۱۷)

بجنوری صاحب غالب کے اس استفساری کلام اور ان کے فلسفہ وحدت الوجود سے متعلق اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"آہستہ آہستہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ یہ ہنگامہ، یہ پری چہرہ لوگ، یہ غمزہ و عشوہ و ادا، یہ شکنِ زلف عنبریں، یہ نگہ چشمِ سرما سا، یہ سبزہ و گل، یہ ابر و ہوا اصنام خیالی ہیں۔ اس کثرت کا تسلیم کرنا پرستاری وہم ہے۔ حقیقت سب کی وحدت ہے۔ جب طالب حقیقت سے دوچار ہوتا ہے تو من و تو کے امتیازات مٹ جاتے ہیں اور اللہ اور غیر اللہ کا فرق باقی نہیں رہتا۔"(۱۸)

غالب کے مطابق جس طرح قطرہ پانی میں مل پانی بن جاتا ہے اور اس کی انفرادی حیثیت ختم ہو جاتی ہے لیکن اس کمزور وجود کا مضبوط اور طاقتور وجود میں ضم ہو جانا اس کے لیے ایک اچھا انجام بھی ہے۔ اسی بوجھ طرح جو شخص کی محبت میں اپنے آپ کو فنا کر دے وہ لافانی ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیائے کرام اس لمحے بے اختیار "اناالحق"(۱۹) کی صدا بلند کر گئے یا کہا کہ "خدا میرے ملبوس میں ہے۔"(۲۰) غالب فرماتے ہیں:

قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جائے
کام اچھا ہے وہ جس کا کہ مآل اچھا ہے(۲۱)

فلسفہ وحدت الوجود کو بیان کرنے میں جہاں غالب کا فلسفے پر ان کے عبور کا پتہ چلتا ہے، وہیں محاکات اور تخیل کو الفاظ کے سانچے میں نہایت مناسب انداز سے ڈھالنا بھی غالب ہی کا حصہ ہے۔ چنانچہ بعض مفکرین حضرات جن میں کئی جدید اور مغرب سے تعلق رکھتے ہیں ان کے مطابق زندگی بھی مسلسل ارتقا کے منازل سے گزر رہی ہے۔ اور جب یہ کام اپنے تکمیل کو پہنچ جائے تو حقیقتِ ذات اپنا آپ آشکار کر دے گا۔ اس مضمون کو غالب کی عقلِ رسا نے اس سے پہلے کس خوبصورت اور دلنشین اندازِ تکلم سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو اصل معشوق عالم ہے۔ اس نے تکمیل حیات تک اپنے کو پسِ پردہ کیا ہوا ہے اور مثال یوں ہے کہ جیسے کوئی حسین اپنے چہرے کے سامنے آئینہ رکھے ہوئے مسلسل اپنے سنگھار

میں لگا ہو، کائنات کی تکمیل ہو جانے کے بعد حق تعالیٰ اس آئینے کو جو اس نے ایک نقاب کی مانند رکھا ہے، ہٹا دے گا۔ غالب سخن طراز ہیں:

آرائشِ جمال سے فارغ نہیں ہنوز
پیشِ نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں(۲۲)

غالب کہتے ہیں کہ پوری کائنات اور مخلوقات اس حقیقتِ منتظر کے لیے منتظر ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

کس کا سراغ جلوہ ہے حیرت کو اے خدا!
آئینہ فرشِ شش جہتِ انتظار ہے(۲۳)

غرض یہ کہ غالب صرف اردو شاعری میں بڑا نام نہیں رکھتے، بلکہ تصوف اور فلسفہ وحدت الوجود کے متعلق بھی ان کے خیالات وافکار سے استفادہ کیا جاتا ہے اور وہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بڑے فلسفی بھی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ دیوان غالب، مرزا اسد اللہ خان غالب، سن اشاعت ۲۰۱۴ء، مکتبہ جمال اردو بازار لاہور، ص ۲۴۰

۲۔ دیوان غالب، ص ۳۸

۳۔ عبدالرحمٰن بجنوری، ڈاکٹر، محاسن کلامِ غالب، مثال پبلشرز، امین پور بازار فیصل آباد، اشاعت ۲۰۰۹ء، ص ۱۲۰، ۱۱۹

۴۔ رامپوری، عبدالسلام، ابنِ عربی کا نظریۂ وحدت الوجود، بحوالہ، نذرِ ذاکر، مجلسِ ذاکر، نئی دہلی، انڈیا، اشاعت ۱۹۶۸ء، ص ۱۱، ۱۰

۵۔ دیوان غالب، ص ۲۷۲

۶۔ مجدد الف ثانی، مکتوبات، ج ا، م ۴۳، ص ۱۴۸۔

۷۔ برہان لدین احمد، ڈاکٹر، حضرت مجدد کا نظریہ توحید، بزم اقبال کلب روڈ لاہور، سن اشاعت ۱۹۸۸ء،، ص ۱۲۱

۸۔ عبدالرحمٰن بجنوری، محاسنِ کلامِ غالب، ص ۵۷

۹۔ دیوان غالب، ص ۲۲۲

۱۰۔ دیوان غالب، ص ۲۳۳

۱۱۔ دیوان غالب، ص۱۵۷

۱۲۔ دیوان غالب، ص ۱۶۴

۱۳۔ دیوان غالب، ص ۳۳۳،۳۳۱

۱۴۔ دیوان غالب، ص۲۵۹

۱۵۔ سورۃ الانبیاء، ۲۲:۲۱

۱۶۔ دیوان غالب، ص۳۸

۱۷۔ دیوان غالب، ص ۲۷۲

۱۸۔ عبدالرحمٰن بجنوری، محاسنِ کلامِ غالب، ص۵۹

۱۹۔ یہ نعرہ حسین ابن منصور حلاج نے بلند کیا تھا۔ بظاہر یہ نعرہ درست نہیں تھا اور اس کی وجہ سے فتنے برپا ہونے کا خطرہ تھا جس کی وجہ سے اس وقت کے قضاۃ نے انھیں سزائے موت سنائی تھی۔

۲۰۔ یہ قول مشہور صوفی حضرت بایزید بسطامی کا ہے۔

۲۱۔ دیوان غالب، ص۲۹۵

۲۲۔ دیوان غالب، ص۱۶۵

۲۳۔ دیوان غالب، ص ۳۸۰